سلسلہ مطبوعات ۲۹

# اجتماعی زوال کے اسباب

مولانا محمد تقی امینیؒ

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

# حرف اوّل

آج اُمت مسلمہ جس نکبت و زوال سے دوچار ہے، وہ حساس ذہنوں کے لیے ایک مستقل اُلجھن بن چکی ہے۔ اس زوال کے بنیادی اسباب کا جب تک درست سمت میں تجزیہ نہیں کیا جائے گا، صحیح خطوط پر اس کا حل تلاش کرنا بھی ممکن نہ ہوگا۔

آج کا زوال کسی فردِ واحد یا کسی ایک گروہ کا زوال نہیں، نہ ہی یہ کسی ایک شعبہ کا مرض ہے، بلکہ معاشرے کے تمام ادارے اس سے نہ صرف آشنا ہو چکے ہیں، بلکہ اس سے پیدا شدہ رویے مستقل طور پر ہمارے اجتماعی مزاج کا حصہ بن گئے ہیں۔

زیرِنظر مضمون میں برعظیم کی دورِحاضر کی ایک صاحبِ فکر شخصیت حضرت مولانا محمد تقی امینیؒ نے قرآن حکیم کی روشنی میں اجتماعی زوال کے اسباب کا جامع مگر مختصر انداز میں تذکرہ کیا ہے۔ قارئین اس مضمون کے مطالعہ سے یقیناً یہ محسوس کریں گے کہ قرآن کریم ہمارے گردوپیش کی ہی آنکھوں دیکھی صورتِ حال کی نقاب کشائی کررہا ہے اور اسی سے یہ داعیہ جنم لیتا ہے کہ عصری تقاضے کے مطابق زوال سے نکلنے کے لیے اجتماعی جدوجہد کا اس انداز میں ڈول ڈالا جائے کہ معاشرہ فطری اقدار قائم ہونے کی راہ پر چل نکلے اور یہ حقیقت ہے کہ ذمہ داری سے صرف جواں عزم اور بلندنظر افراد کی اجتماعیت ہی عہدہ برآ ہوسکتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ نئے معاشرے کی تشکیل و تنظیم آپ کے فولادی عزم کی منتظر ہو، تو پھر اپنے فرائض کو پہچانیے۔

(چیئرمین)

# فہرست مضامین


| | |
|---|---|
| اجتماعی زوال کے اسباب | ۵ |
| شرک ونفاق | ۵ |
| نفاق کی شکلیں | ۶ |
| شرک ونفاق کے اجتماعی زندگی میں اَثرات | ۸ |
| بے عملی و بدعملی | ۱۴ |
| سیرت کی تشکیل میں بے عملی و بدعملی کے مظاہر | ۱۴ |
| عصری تقاضوں سے غفلت کے مظاہر | ۲۱ |
| ایک غلط فہمی کا ازالہ | ۲۲ |
| چند علمائے یورپ کی شہادتیں | ۲۳ |
| بے عملی وبدعملی تاریخ کے آئینہ میں | ۲۴ |
| باطل پرستی وخودفریبی | ۲۷ |
| عدم استقامت وخودغرضی | ۳۰ |
| جوانی اور بڑھاپے کی ایک نئی تقسیم | ۳۲ |
| ماہرین نفسیات کے ایک شبہ کا جواب | ۳۳ |


**نام پمفلٹ:** اجتماعی زوال کے اسباب
**تحریر:** مولانا محمد تقی امینی
**طبع دوم:2006ء، طبع سوم:2018ء**

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# اجتماعی زوال کے اسباب

اجتماعی زوال کے چار بنیادی اسباب:

(۱) شرک ونفاق (۲) بے عملی و بدعملی

(۳) باطل پرستی وخودفریبی (۴) عدم استقامت وخودغرضی

ان کے مفہوم میں عمومیت اس طرح پیدا کی جاسکتی ہے

(۱) جن اصول ونظریات پر کسی تحریک کی بنیاد ہو یا کسی قوم کی تنظیم ہوئی ہو، انھیں تسلیم کرنے کے باوجود شرک یا نفاق کی وَجہ سے دل میں یقین و اذعان کی وہ کیفیت نہ پیدا ہو جو ایمان کا خاصہ اور نتیجہ ہے۔

**(۲) اصول ونظریات کو بروئے کار لانے کے لیے جن صلاحیتوں اور تدبیروں کی ضرورت پڑے اور جس جس قسم کی طاقت وقربانی کا مطالبہ کیا جائے قوم کے افراد اس کے لیے تیار نہ ہوں یا اس کے خلاف عمل کر رہے ہوں۔**

**(۳) حق پرستی کی بجائے باطل پرستی کی جانب مائل ہوں اور تبلیغ حق کی جگہ خود فریبی میں مبتلا ہوں۔**

**(۴) قوم کے افراد میں استقلال اور ضبط نفس کا فقدان ہو اور بے ثباتی (تذبذب) وخودغرضی ان کے رگ وریشہ میں سرایت کرگئی ہو۔**

**قرآن حکیم کی روشنی میں ہر ایک کی تفصیل درج ذیل ہے**

## شرک ونفاق

شرک کا مطلب اللہ کی ذات ،صفات اورافعال میں کسی کو شریک کرنا ہے،اس کا اصل تعلق عقیدہ سے ہے۔نفسیاتی لحاظ سے جب عقیدہ میں تزلزل پیدا ہوجائے یا وہ کمزور پڑجائے تو پھر زندگی کی کوئی کل (جوڑ) درست نہیں رہ سکتی۔

ماہرین اجتماعیت کے نزدک نظریات وعقائد کی حیثیت ستون کی ہے۔اورقومی وجماعتی زندگی کواصل خطرہ اصول و عقائدکے عدم اذعان(یقین نہ ہونے)ہی سے پیداہوتاہے۔اس لحاظ سے شرک کا اثر زندگی کے تمام گوشوں میں نمایاں ہوتاہےاوراس کے پورے نظام کو درہم برہم کرتاہے۔

## نفاق کی عموماً دوہی شکلیں پائی جاتی ہیں

(۱) کسی نظام زندگی کے بروئے کار آنے کے بعدمخالفین کاگروہ مفاد کے حصول کی خاطر یا مضرت کے دفعیہ کی غرض سے اس کی تعلیمات کوایک حدتک اپنالیتاہے لیکن دل سےنہیں مانتاہے۔

(۲) دل سے ماننے والوں میں بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن میں یقین وعمل کی وہ روح نہیں پیدا ہوتی جوکسی تعلیم کوحقیقی معنوں میں قبول کرلینے کے بعدہونی چاہئے اوراخلاص وصداقت کے وہ جوہرنہیں نمایاں ہوتے جوکمال ایمانی کانتیجہ ہیں۔

### یہ حالت درج ذیل اسباب سے ہوتی ہے

(۱)قدیم رسم ورواج کاغلبہ۔ (۲) خواہشات نفسانی کی اتباع وپیروی

(۳)ذاتی اغراض ومفاد (۴) لذات دنیوی کے ساتھ چسپیدگی (محبت)

(۵)تقلیدی جمود وغیرہ (الفوذ الکبیرص۱۰)

رسول اللہ ﷺ کے آمدہ فرمان میں یہی نفاق مراد ہے

’’چارخصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں یہ چاروں جمع ہوجائیں وہ پورا منافق ہے اورجس میں کوئی ایک پائی جائے توسمجھا جائے گا کہ نفاق کی ایک خصلت پیدا ہوگئی اگرچہ

وہ نماز پڑھتا روزہ رکھتا ہو اور اس گمان میں ہو کہ وہ پکا مسلمان ہے وہ چار خصلتیں یہ ہیں۔

(۱) جب بات کرے جھوٹ بولے (۲) جن وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے

(۳) جب امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے (۴) جب لڑائی جھگڑا ہو تو بدزبانی کرے" (صحیح مسلم)

حضرت حذیفہؓ کے ایک قول سے بعض حضرات کو دھوکا ہوا کہ نفاق صرف رسول اللہ کے زمانہ میں پایا جاتا ہے اس کے بعد وہ ختم ہوگیا حالانکہ قرآن حکیم نے نفاق کی جو تفصیلات بیان کی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ نفاق کسی دَور اور زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ وہ ایسی حقیقت ہے کہ ہمیشہ پایا گیا ہے اور پایا جاتا رہے گا

وہ قول یہ ہے:

نفاق رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھا مگر آج کفر ہے یا ایمان (مشکوۃ ص ۱۸)

اس قول میں نفاق سے اس کا حکم مراد ہے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چند مصلحتوں کی وجہ سے یہ حکم تھا کہ منافقین سے تعرض نہ کیا جائے، ان کے معاملہ میں پردہ پوشی سے کام لیا جائے لیکن آج (عہد حذیفہ) ان مصلحتوں کے ختم ہوجانے کی وجہ سے وہ حکم باقی نہیں۔

(حاشیہ مشکوۃ ص ۱۸)

صورت یہ ہے کہ انقلاب کے بعد قوم جب نئی نئی تعمیری میدان میں قدم رکھتی ہے تو اس کے لیے یہ بات نہایت اہم قرار دی جاتی ہے کہ وہ داخلی انتشار اور افراتفری میں نہ مبتلا ہو، ورنہ صلاحیتیں آپس میں ایک دوسرے کے دست وگریبانی میں مصروف ہوجائیں گی اور تعمیری کام رک جائیں گے نیز باہر کے لوگوں کو بدنام کرنے اور ہنسنے کا موقع ملے گا۔

ظاہر ہے کہ ابتدا میں اگر منافقین کے خلاف قانونی کاروائی کی جاتی تو ان

کے گھلے ملے رہنے کی وجہ سے داخلی انتشار اورافراتفری سے بچاؤ ناممکن تھا اور دوسری طرف باہر کی دنیا کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ حکومت واقتدار حاصل کرنے کے بعد مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے یہ کسے خبر تھی کہ مسلم اور منافق میں فرق ہے،لیکن قوم جب مضبوط ہوجائے اوراس کی تعمیری صلاحیتیں ابھر آئیں تو پھر شر پسندوں کا صفایا ضروری ہوتا ہے جیسا کہ حضرت حذیفہؓ نے آخر کے ٹکڑے میں فرمایا۔

ذیل میں قرآن حکیم کی روشنی میں شرک ونفاق کے چند اثرات اجتماعی زندگی میں بیان کئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ زوال کے بارے میں یہ دونوں کس قدر دوررس نتائج کے حامل ہیں؟

## شرک ونفاق کے اجتماعی زندگی میں اثرات

(۱) اصول ونظریات پرعزم ویقین کی وہ رح نہیں پائی جاتی جو انسان کو سرتاپا عمل بناتی ہے اوررعب وہیبت قائم رکھتی ہے(سورۃ آل عمران آیت ۱۴۵)

اس کی شہادت فلسفہ تاریخ سے بھی ملتی ہے جیسا کہ قدیم رومن قوم کی حقیقی عظمت دوچیزوں میں بیان کی جاتی ہے ایک تو یہ کہ ان کی ضروریات زندگی محدود تھیں اوردوسی یہ کہ ان کا اعتقاد نہایت قوی تھا حتی کہ ان کا ہر شخص جان ومال اہل وعیال غرض سب کچھ اعتقاد پرقربان کردیتا تھا (انقلاب الامم ص ۱۴۷)

(۲)زندگی میں نظم اورمرکزیت نہیں باقی رہتی اوراطاعت واتحاد کا جذبہ فوت ہوجاتا ہے۔ارشاد خداوندای ہے!

''جب وہ اللہ اوراس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تو ایک گروہ ان میں کا اعراض وروگردانی کرتا ہے''(سورۃ النور آیت ۴۹)

(۳) دل کا استحکام اوراللہ پرکامل اعتقاد نہیں رہ جاتا جس سے ہمت پست رہتی ہے،ضبط نفس اور پامردی کی روح فنا ہوجاتی ہے اوررفتہ رفتہ زندگی کے عناصر،اقدام،عزم ،شجاعت ، ارادہ وغیرہ سب میں زوال آجاتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم نے ایمان والی زندگی کو ''القول الثابت''(مستحکم بات) سے تعبیر کیا ہے اورحقیقی ایمان سے محروم زندگی کو''مالھا من

قرار‘‘(جس کو ثبات نہیں) سے (سورۃ الرعد آیت ۳۶)

نیز ایسی حالت میں طبیعت طرح طرح کے اوہام وتخیلات کا مجموعہ بن جاتی ہے

ارشاد ربانی ہے:۔

’’ایسے لوگ اللہ کی جناب میں عہد جاہلیت کے سے ظنون واوہام (شکوک وشبہات) رکھتے ہیں‘‘(سورۃ آل عمران آیت ۱۴۹)

(۴) ظاہر وباطن میں یکسانیت نہیں رہتی ہے جب تک ذاتی اغراض ومفاد کا سوال نہ ہو ان کے اقوال وافعال ہر طرح سے آراستہ دکھائی دیتے ہیں لیکن جب ایثار قربانی کا وقت آتا ہے یا کسی ادنی مفاد پر ضرب پڑتی ہے تو بے نقاب ہو کر سامنے آجاتے ہیں ان میں سہار و برداشت کی طاقت بالکل نہیں ہوتی ہے۔

قرآن حکیم نے اس صورتحال کی تعبیر درج ذیل آیت میں نہایت بلیغ پیرایہ میں بیان کی ہے۔

’’جب تم انہیں دیکھو تو ان کی ظاہری حالت نہایت اچھی معلوم ہو اگر وہ بات کریں تو تم ان کی بات سنتے رہو گویا کندے (لکڑیاں) ہیں جو دیوار سے لگ کر کھڑے ہیں (سہار کی طاقت بالکل نہیں) ہر چیخ وپکار کو اپنے اوپر سمجھتے ہیں ایسے لوگ دشمن ہیں ان سے بچو‘‘

(سورۃ المنافقون آیت ۶)

آیت کا ہر ٹکڑا مستقل ایک حالت اور اس کے اثرات کا ترجمان ہے واقعات ومشاہدات کو سامنے رکھ کر جس قدر آپ غور کریں گے حقیقت کھلتی جائے گی۔

(۵) مقصد واضح شکل میں سامنے نہیں رہتا ہے جس کی بناء پر جدوجہد کی رفتار سست پڑ جاتی ہے اور تن پروری وعیش پرستی کی ذہنیت نمودار ہو جاتی ہے (سورۃ التوبہ آیت ۵۱)

آج کی دنیا کے سامنے ذاتی اغراض ومفاد ،مقصد کی حیثیت رکھتے ہیں ،اس میں

شک نہیں کہ دنیا کی قومیں اس کے لیے پوری جدوجہد کرتی ہیں جب وہ قانون قدرت کے مطابق کامیابی حاصل کرتی ہیں

لیکن رسول اکرم ﷺ نے اللہ کی رضا وخوشنودی کو مقصد ٹھرایا چنانچہ صحابہ کرامؓ کی ساری جدوجہد اللہ کے نام پر اسی مقصد کے حصول کے لیے ہوتی تھی ۔جس طرح ان کا مقصد بلند تھا، ایثار وقربانی کا جذبہ بھی ان میں زیادہ تھا۔اسی بناء پر غیر معمولی کامیابی ان کا قدم چومنے پر مجبور تھی۔یورپ کا فاتح اعظم نپولین مسلمانوں کی کامیابی پر ہمیشہ حیران رہا،اور کہا کرتا تھا کہ

''محمد نے عربوں کو از سرنو پیدا کیا تھا ان
کے ایک ہاتھ میں تلوا ر اور دوسرے ہاتھ میں
قرآن دے کر فرمایا تھا کہ جاؤ دنیا فتح کرو ،
حکومت کرو اور فائدہ اٹھاؤ''

افسوس کہ مسلمانوں کے پاس اب نہ قرآن باقی رہا اور نہ تلوار (پُرعزم جدوجہد) رہ گئی۔قرآن کی جگہ چند گھڑے ہوئے عقیدوں اور وہم وخیال کی باتوں نے لے لی (سورۃ البقرہ آیت ۷۳)اور تلوار (جدوجہد ) کی جگہ بے روح دعاؤں نے قبضہ کرلیا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اگر قیام وبقاء کی جدوجہد کے لیے صرف دعائیں کافی ہوتیں اور چند رسم ورواج کی پابندی اور نام کی مسلمانی سے کام چل جاتا تو صحابہ کرام اور اسلاف امت کو تن ،من ،دھن قربان کرنے کی ضرورت نہ پیش آتی اور نہ قرآن حکیم میں جدوجہد سے متعلق درج ذیل آیتیں مذکور ہوتیں۔

(۱) انسان کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے جدوجہد کی ہے(سورۃ النجم آیت ۳۸)

(۲) اے پیغمبر ﷺ آپ کہہ دیجئے تم عمل کیئے جاؤ اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل دیکھے گا۔ (سورۃ التوبہ آیت ۱۰۵)

(۳) انسان کی جدوجہد یقیناً دیکھی جائے گی اوراس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

(سورۃ النجم آیت ۳۹،۴۰)

(۴) محنت اورمشقت کے کام نہیں ہو پاتے عافیت کوشی، مصلحت پسندی، سخن پروری اور حیلہ سازی وغیرہ جیسے جراثیم زندگی میں نمودار ہوجاتے ہیں (سورۃ التوبہ آیت۴۲)

(فاسد) مذہبی طبقہ ان جراثیم کا خصوصیت سے شکار ہوتا ہے کیونکہ اس کا مذہب ایسی حالت میں افادیت وصلاحیت کے جوہر کھودیتا ہے اوردنیا طلبی وہوس رانی کا ذریعہ بن جاتا ہے، چنانچہ قدیم یورپ مین بہت سے لوگ محض اس بناء پرراہبوں میں شامل ہوتے تھے کہ محنت مزدوری کے بغیر وہاں مفت کی روٹی ملتی تھی، اورگرجا کے بہت سے خادم ایسے تھے جنہوں نے مخصوص ملکی ذمہ داریوں اورکام سے بچنے کی غرض سے یہ طریق زندگی اختیار کرلیا تھا

(تاریخ اخلاق یورپ ص ۱۰۱)

(۷) ذاتی اغراض ومفاد کی بندگی ہوتی ہے اپنے معمولی مفاد کے لیے قوم کے پہاڑ جیسے نقصان کی پرواہ نہیں ہوتی، جب کوئی قومی وجماعتی فلاح وبہبود کے کام کرنے کا وقت آتا ہے تو طرح طرح کے شبہات اورطرح طرح کے اندیشے ظاہر کئے جاتے ہیں جن سے عوام سہم جاتے ہیں اور کام میں رکاوٹ ہوجاتی ہے، نہ قومی مصیبت کسی کے لیے مصیبت رہ جاتی اورنہ قومی خوشی کسی کے لیے خوشی، بس ہرایک اپنا ہی مفاد سوچتا ہے اوراپنی خوشی کوخوشی جانتا ہے (سورۃ التوبہ آیات ۴۶ تا ۵۰)

جب قوم کے دل میں خودغرضی اپنا قدم جمالیتی ہے۔ تورفتہ رفتہ اس کے تمام محاصل ختم ہوجاتے ہیں ''روسو'' نے مذکورہ حقیقت کواس طرح بیان کیا ہے

''اپنی ذات سے محبت اوراپنی فکر بُری چیز نہیں، مگر جب دوسروں کونقصان پہنچا کر اپنا فائدہ حاصل کرنے کا جذبہ دلوں میں

جاگزیں ہوجائے تو پھر سماج کی تباہی ناگزیر ہے" (معاہدہ عمرانی ص ۲۷)

(۸) قومی وجماعتی شعار کی ادائیگی ایسے بے دلی اور بدذوقی کے ساتھ کی جاتی ہے گویا کوئی بوجھ سر پر آپڑا ہے کہ جلدی پٹک کر اس سے چھٹکارا ملے اس میں نہ جذب وانجذاب (ذوق وشوق) کی کیفیت ہوتی ہے اور نہ ہی دلجمعی واطمینان کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ (سورۃ النساء آیت ۱۴۹)

(۹) کچھ لوگ الگ تھلگ رہ کر حالات و واقعات کی رفتار کا جائزہ لیتے ہیں جس جماعت کا جب پلہ بھاری دیکھا بس اسی کے ساتھ شریک ہوگئے اور باتیں بنا کر گزشتہ سے عذر معذرت کردی (سورۃ النساء آیت ۱۴۲)

بعض لوگ مخالفین سے ساز باز رکھتے ہیں ادھر کی باتیں ادھر لگاتے ہیں جب کوئی بات کھل جاتی ہے تو قسمیں کھا کر یقین دلاتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ (سورۃ النساء آیت ۳۹۱، سورۃ التوبہ آیت ۵۶)

اسی میں وہ صورت بھی داخل ہے کہ مغلوب قوم کے افراد غالب قوم سے مل جاتے ہیں پھر انہیں عہدہ دے کر یا انعام واکرام کی بارش کرکے ان کے ذریعے پوری قوم کے دبانے کا کام لیا جاتا ہے فرعون بدنام ہے اس کے ملأ (پارلیمنٹ کے ممبروں) نے موسیٰ علیہ السلام کے تحفظ حقوق کی آواز کو فتنہ وفساد سے تعبیر کیا تھا جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے

فرعون کی قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے (فرعون سے) کہا کہ آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو ایسی حالت میں چھوڑ دیں گے کہ وہ ملک میں بدامنی پھیلائیں؟ (سورہ الاعراف آیت ۱۷)

لیکن آج دنیا کی حکومتوں میں یہ طریق کار بہت عام ہے، اس میں پیش پیش وہ افراد دکھائی دیتے ہیں جو اقلیتوں کے نمائندہ ہوتے ہیں کیونکہ انہیں دوسروں کے

مقابلہ میں اظہار وفاداری کی زیادہ ضرورت رہتی ہے۔

(۱۰)اخلاص وصداقت کی روح نکل جاتی ہے پھر جائز وناجائز درست ونادرست جس طرح بھی مال ملے اس کے حصول کی کوشش ہوتی ہے(سورۃ التوبہ آیت ۵۸)

(۱۱) ایمان ویقین کی دولت سے محرومی کی وجہ سے قوت ارادی مفقود ہوجاتی ہے،عزم و ہمت کے کام کے وقت ایسی روش اختیار کی جاتی ہے جس سے انتہائی بزدلی اورکمینہ پن کا ثبوت ملتا ہے(سورۃ التوبہ آیت ۵۷)

(۱۲) اتباع دین کی روح مفقود ہوجاتی ہے دینداری کی نمائش محض اس لیے ہوتی ہے کہ اسے دنیا کے حصول کے لیے آلۂ کار بنایا جائے اس نمائش میں فروعی اورمعمولی باتوں پر زور دیا جاتا ہے اور بنیادی واصولی احکام کی طرف توجہ نہیں رہتی ہے۔

(۱۳) فرقہ بندی وگروہ بندی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے حق پرستی کی جگہ گروہ پرستی آجاتی ہے،اچھائی وبرائی کے جانچنے کے لیے اعتقاد وعمل کو معیار نہیں ٹھہرایا جاتا ہے بلکہ یہ کہ وہ ہمارے گروہ میں داخل ہے یا نہیں،اگر وہ داخل ہے خواہ اس کے اعمال کتنے ہی برے ہوں اور اگر نہیں داخل ہے تو وہ برا ہے خواہ اعمال کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔(سورۃ البقرہ آیت ۱۱۵)

(۱۴) تعمیری کاموں کی طرف توجہ نہیں رہتی پس ہر گروہ دوسرے گروہ کی تحقیر وتذلیل کو دین ایمان کی سب سے بڑی خدمت سمجھنے لگتا ہے(سورۃ البقرہ آیت ۱۰۸)

(۱۵) کذب گوئی ووعدہ خلافی سے کام نکالنے کو ہنر سمجھا جاتا ہے ان کی برائی کی اہمیت دل سے نکل جاتی ہے۔(سورۃ التوبہ آیت ۷۷)

(۱۶) قومی وجماعتی (اجتماعی) خدمت کا جذبہ ختم ہوجاتا ہے،اگر کچھ لوگ خلوص وللّٰہیت کے ساتھ اس فریضہ کو انجام بھی دیتے ہیں تو انہیں طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے مثلاً مالدار لوگ خرچ کرتے ہیں تو اسے زیادہ نمود اورشہرت کا نام دیا جاتا ہے اورغریب لوگ خرچ کرتے ہیں تو ان (کی کم مائیگی) کا مذاق اڑتا ہے۔(سورۃ التوبہ آیت ۷۹)

(۱۷) مذہب کے نام پر ایسی باتیں نکلتی ہیں جو باہمی تفرقہ اورانتشار کا

باعث بنتی ہیں (سورۃ التوبہ آیت ۱۰۷)

(۱۸) غلط قسم کا تقلید و جمود پیدا ہوجاتا ہے اور خوش فہمی میں مبتلا ہوکر اسے حق پر ثابت قدمی کا نام دیا جاتا ہے حالانکہ تقلیدی جمود اور ثابت قدمی میں بڑا فرق ہے اول الذکر احساس وشعور کے موت کی سب سے بری علامت ہے اور آخرالذکر زندگی کی سب سے بڑی نشانی ہے۔

(سورۃ البقرہ آیت ۸۳)

(۱۹) حقائق کی طرف سے نظر پھر جاتی ہے جادو، ٹونے، ٹوٹکے اور دوسری بہت سی وہمی وخیالی باتوں پر نظر جم جاتی ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت ۹۶)

(۲۰) اہل دین، حق فروش بن جاتے ہیں، اپنی رایوں اور خواہشوں کو اللہ کے احکام پر ترجیح دیتے ہیں اور اپنی گھڑی ہوئی باتوں کو کتاب اللہ کی طرح واجب العمل بتاتے ہیں

(سورۃ البقرہ آیت ۷۴)

(۲۱) زندگی کی کشاکش سے نبرد آزمائی اور مصائب ومشکلات کے جھیلنے کی طاقت ختم ہوجاتی ہے اور طرح طرح کی بے ایمانی اور بے اعتقادی کی باتوں اور حرکتوں کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

(۲۲) ہوا (خواہش) وہوس کا غلبہ ہوجاتا ہے حتی کہ حق وصداقت کے قبولیت کی راہیں مسدود ہوجاتی ہیں۔ (سورۃ محمد آیت ۱۶)

(۲۳) اللہ پر نظر نہیں رہتی ہے بلکہ دوسری چیزوں کو مؤثر بالذات سمجھنے کا رواج عام ہوجاتا ہے اسی بنا پر خوف وبزدلی پیدا ہوجاتی ہے اور کسی مہم میں شرکت کی جرأت وہمت نہیں رہتی۔ (سورۃ محمد آیت ۲۶، سورۃ الفتح آیت ۱۱)

(۲۴) اللہ سے زیادہ انسانوں کا خوف ہوجاتا ہے (سورۃ الحشر آیت ۱۳)

(۲۵) سچائی کے پرستاروں کو ذلیل سمجھا جاتا ہے اور حتی الامکان ان سے دور

رہنے کی کوشش ہوتی ہے(سورۃ المائدہ آیت ۶۴)

(۲۶) جن کو صداقت کی بات قبول کرنے میں عار محسوس ہوتا ہے اور راعیوں کے ساتھ تکبر وسرکشی کا برتاؤ ہوتا ہے(سورۃ المائدہ آیت ۱۲)

(۲۷) بات کر کے پھر جانا،قسموں کے ذریعے مطلب برآری کرنا وغیرہ لوگوں کا شیوہ بن جاتا ہے(سورت النساء آیت ۵۲)

(۲۸) آپس میں ایک دوسرے کے قلوب مختلف ہوتے ہیں اگر کہیں اتحاد نظر بھی آتا ہے تو وہ ظاہری طور پر کام نکالنے کے لیے ہوتا ہے ،فائدہ اور غرض کے وقت اپنے پرائے دوست کی پرواہ نہیں رہ جاتی وغیرہ۔(سورت الحشر آیت ۱۴)

(۲۹) ایثار وقربانی کے بغیر جہاں مالی منفعت کی امید ہوتی ہے وہاں لوگ سب سے آگے نظر آتے ہیں اور اگر کوئی کچھ کہتا ہے تو اسے حاسد وغیرہ کے نام سے مطعون کرتے ہیں

(سورۃ فتح آیت

۱۵)

(۳۰) لوگ تمناؤں اور آرزوؤں میں پھنس کر عزیمت وہمت کے کاموں سے جان چراتے ہیں(سورۃ کہف آیت ۵۷)

(۳۱) غرض دل کی روحانیت ختم ہوکر جماعتی مزاج پر شیطان کا غلبہ ہوجاتا ہے اور ہواوہوس کی حکمرانی چلتی ہے۔(سورۃ کہف آیت ۵۵)

## (۲)بے عملی وبدعملی

اس کی دوصورتیں ہیں

(۱) سیرت کی تشکیل اور تنظیم سے متعلق جو اخلاقی ہدایتیں ہیں ان سے پہلوتہی کی جائے یا ان کے خلاف عمل کیا جائے

(۲) حالات وزمانہ کے تقاضا کی مناسبت سے قیام وبقاء کے لیے جس قسم کی مادی جدوجہد درکار ہے اس سے غفلت برتی جائے اور قرآن حکیم نے بے عملی اور بدعملی کے

مختلف مظاہر بیان کئے ہیں۔سیرت کی تشکیل و تنظیم سے متعلق چند یہ ہیں:

## سیرت کی تشکیل میں بے عملی و بدعملی کے مظاہر

(۱) اخلاقی سطح نہایت پست ہوجاتی ہے کردار کا کوئی معیا رنہیں رہتا ہے اورمعاصی کے ارتکاب میں بے باکی ہوجاتی ہے حتی کہ رفتہ رفتہ معاصی کا احساس بھی دل سے نکل جاتا ہے قرآن حکیم میں ہے۔

''اورکتنی ہی بستیاں ظلم وشرارت میں غرق تھیں ہم نے پامال کرڈالا اوران کے بعد دوسرے گروہوں کو لا کھڑا کیا'' (سورۃ الانبیاء آیت ۱۱)

آیت میں'' ظالمہ'' کالفظ ہے اورظلم کے معنی وضع الشئی فی غیرمحلّہ ہیں (جس چیز کا جومحل ہواس کا وہاں نہ ہونا) ایک موقع پر شرک کو''ظلم عظیم'' کہا گیا (سورۃ لقمان آیت ۱۳) کیونکہ اس سے بڑھ کر اورکوئی بے محل بات نہیں ہوسکتی ہے۔اسی طرح تمام برائیوں اور بداخلاقیوں کاارتکاب انسان کا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے (سورۃ فاطر آیت ۳۲) کیونکہ قرآن حکیم نے انسان کی عظمت وبلندی کا جومؤقف (مقام) مقرر کیا ہے وہ سب اس کے خلاف ہیں اوراس لحاظ سے سب''وضع الشئی فی غیرمحلّہ'' میں داخل ہیں۔

(۲) دوسری آیت میں اخلاقی پستی وبے حسی کا ذکراس طرح کیا گیا ہے۔

''بے شک اللہ کے نزدیک سب سے بدتر حیوان وہ انسان ہیں جو بہرے گونگے ہیں اورسمجھتے نہیں ہیں (سورۃ انفال آیت ۲۲)

انسان کی عظمت وبلند کااصل راز اس کے اخلاق وکردار میں مضمر ہے۔کسی زندگی میں جب یہ باقی نہ رہ جائیں تو اس کی حیثیت جانوروں سے بدتر ہوجاتی ہے نیز اخلاق وکردار میں تسخیری وتنظیمی صلاحیت کے جوہر موجود ہیں جن سے ظاہری وباطنی دشمن سے مقابلہ کے وقت کام لیاجاتا ہے چنانچہ قرن اول (ابتدائے اسلام) میں رومیوں کا جب مسلمانوں سے مقابلہ ہورہا تھا اورروی دمشق وحمص کے میدان میں پے درپے شکستیں کھارہے تھے تو قیصر روم نے اپنے چندفوجی سرداروں کو بلاکر پوچھا کہ''عرب کے فتوحات کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ تم تعداد وقوت وطاقت اورسامان جنگ میں ان سے کہیں زیادہ بڑھے

ہوئے ہو‘اس پر ایک بوڑھے اور تجربے کار افسر نے جواب دیا کہ

’’عرب کے پاس اخلاق کی طاقت ہے اور یہ ہمارے پاس نہیں ہے وہ رات کو عبادت کرتے ہیں ،دن کو روزہ رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے ،اپنے پرائے سب کے ساتھ برابری کا معاملہ کرتے ہیں اور ہم شراب پیتے ہین ،بدکاری کرتے ہیں ،وعدہ خلافی کرتے ہیں اور اللہ کی مخلوق پر ظلم کرتے ہیں‘‘

(۳) ترقی کے جذبات سرد پڑجاتے ہیں یاس وقنوطیت کی حالت طاری ہوجاتی ہے۔بلند پروازی اور اولوالعزمی کے سرچشمے خشک ہوجاتے ہیں پھر عارضی اور معمولی فائدوں کو مقصد حیات سمجھ کر اسی کی جدوجہد میں ساری زندگی گزر جاتی ہے۔

قرآن حکیم نے مختلف قوموں اور پیغمبروں کے تذکرہ میں عمل اور ردعمل کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے مذکورہ بالا حقائق پر روشنی پڑتی ہے۔

نیز قوم بنی اسرائیل کو جب موسیٰؑ نے زندگی کی تعمیر اور صلاحیتوں کی تنظیم کا حکم دیا تو نہ صرف یہ کہ انہوں نے اس سے پہلو تہی کی ۔بلکہ فرعونی حکومت ہی کو ترجیح دینے لگے اور موسیٰؑ سے یہ شکایت کی کہ تمہاری اس کوشش نے فرعون کو اور زیادہ مخالف بنادیا ہے نیز جو کچھ ہمیں سہولتیں حاصل تھیں وہ بھی ختم ہوگئی ہیں۔

(ملاحظہ ہو سورۃ بقرہ از آیت ۵۵ تا ۵۹ اور مائدہ از آیت ۲۳ تا ۲۸)

یہ ذلت انگیزی پر قناعت اور جدوجہد سے گریز سب ان کی بے عملی وبدعملی کے اثرات وثمرات تھے جس کی بناء پر جوہر انسانیت پامال ہوگئے تھے۔ان کے سینے میں نہ سچا دل باقی رہ گیا تھا اور نہ دل میں زندگی پیدا کرنے والی آرزو رہ گئی تھیں۔

یورپ میں نشاۃ ثانیہ کی تحریک کا ابتدا میں ردعمل ہوا،اسی طرح ہر زوال پذیر قوم میں انقلابی تحریکوں کو جو ردعمل ہوتا ہے وہ سب مذکورہ بالا حقائق کی شہادت میں پیش کئے جاسکتے ہیں۔

(۴) قوم طبقاتی کشمکش میں مبتلا ہوجاتی ہے،عیش پرستی کی ذہنیت ہر خاص وعام پر مسلط ہوجاتی ہے، مفت خوروں کا ایک طبقہ پیدا ہوجاتا ہے جو قوم پر بار بنتا ہے اور حرکت

وعمل کے بغیر عیش وعشرت کی زندگی گزارنے کا خواہشمند رہتا ہے۔

ایسی حالت میں ہمدردی ،غم خواری ایثار وقربانی وغیرہ کے جذبات افسردہ ہوجاتے ہیں اورخودغرضی ،خوفریبی ،خوش فہمی وغیرہ کے جذبات ابھر آتے ہیں اور ہر فرد دوسرے سے خوفزدہ رہتا ہے۔

تاریخ کا یہ المیہ بھی عجیب وغریب ہے کہ طبقاتی کشمکش کے وقت امراء اورقومی نمائندوں کا ہمیشہ اتحاد رہا ہے اورانسانیت کی تذلیل میں دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ بٹایا ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم نے سرمایہ داری کا کردار قانون کے ذیل میں یہ بیان کیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ جب یہ انفرادی زندگی میں ابھرتی ہے تو کس قدر زندگی اورخدا فراموشی کا مظاہر کرتی ہے اسی طرح قومی نمائندوں کا ذکر درج ذیل قسم کی آیات میں ہے جس سے ان کی حق کے معاملہ میں سرکشی اورناحق مال خوری کا اندازہ ہوتا ہے

اے مومنو !یہودیوں اورعیسائیوں کے علماء ومشائخ میں ایک بڑی تعداد ایسوں کی ہے جولوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اوراللہ کی راہ سے انہیں روکتے ہیں (سورۃ التوبہ آیت ۲۲)

نزول قرآن کے وقت یہود وعیسائی چونکہ زوال پذیر قوم تھے اس لیے ترجمہ میں انہی کے علماء ومشائخ مراد لیے گئے ہیں ۔یہی حالت زوال کے وقت ہرقوم کے اکثر علماء ومشائخ کی ہوتی ہے۔

(۵) توکل اورتقدیر کا غلط مفہوم عام ہوجاتا ہے جس کی بناء پرقوائے عملی مفلوج ہوجاتے ہیں۔ ناعاقبت اندیشی وغیرہ وغیر مستعدی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے اور بلا جدوجہد یہ خیال پیدا ہوجاتا ہے کہ جو کچھ تقدیر میں تھا وہ ہوا اورآئندہ بھی وہی ہوگا جو تقدیر میں ہوگا۔گویا تقدیر کی حیثیت ان کے لیے آہنی زرہ کی ہے جوانہیں پہنا دی گئی ہے وہ دن بدن بھنچتے جاتے ہیں اورزرہ قبضہ کرتی جاتی ہے۔

اس صورتحال کا اثر زندگی میں یہ نمایاں ہوتا ہے کہ اپنی ذات اورمزعومہ

مذہب کے علاوہ دوسری تمام چیزوں سے کنارہ کشی میں انہیں عافیت معلوم ہوتی ہے ۔نیز قدامت پرستی تقلیدی جمود ان میں سرایت کر جاتا ہے جیسا کہ اس کی تائید قوموں کے درج ذیل جوابات سے ہوتی ہے۔

''ہمیں وہی کافی ہے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا'' (سورۃ المائدہ آیت ۱۱۴)

''ہم نے باپ دادا کو اسی عقیدہ اور طریقے پر پایا ہے اور ہم انہیں کے نقش قدم پر چلیں گے'' (سورۃ الزخرف آیت ۲۳)

نیز زندگی کی کشمکش سے گریز کرتے کرتے مذہب چند مراسم ورواج کا مجموعہ رہ جاتا ہے ،اس کے باوجود خوش فہمی وخودفریبی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اللہ کا محبوب اور جنت کا تنہا مستحق وہ اپنے ہی کو سمجھتے ہیں ۔اور بلا جہد وعمل اپنی تعریف کے خواہش مند رہتے ہیں

یہودیوں کے بارے میں قرآن حکیم نے ان کے یہ مقولے نقل کئے ہیں۔

'' ہم اللہ کے بیٹے اوراس کے پیارے ہیں'' (سورۃ المائدہ آیت ۲۲)

''دوزخ کی آگ اگر ہمیں چھوئی بھی تو چند دن کیلیے'' (سورۃ البقرہ آیت ۷۵)

جولوگ اپنے کرتوتوں پر خوش ہورہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کاموں کے لیے سراہے جائیں جوانہوں نے نہیں کئے ہیں ۔اے پیغمبر آپ انہیں عذاب سے چھٹکارا پانے والا نہ سمجھئے (سورۃ آل عمران آیت ۱۸۵)

تقدیر اللہ کے علم اوراندازہ کا نام ہے کہ کوئی شئی اس کے علم اوراندازہ سے باہر نہیں ہے اسی طرح توکل ،کامل جدوجہد کے ساتھ اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کو کہتے ہیں ۔

ان دونوں کی صحیح حقیقت نہ تو انسان کو بے عمل بناتی ہے اور نہ ہی سستی وکاہلی پیدا کرتی ہے۔ بلکہ ایک خاص قسم کا زوایہ نگاہ دے کر انسان کو میدان کارزار میں سرگرم عمل رکھتی ہے۔

نیز زندگی کے بہت سے فتنے ان دونوں کے ذریعے دفع ہوتے رہتے ہیں مثلا کامیابی وکامرانی کی صورت میں غرور نہیں پیدا ہوتا جو ترقی کے لیے بڑی رکاوٹ ہے اور ناکامی کی صورت میں مایوسی نہیں ہوتی ہے جو انسان کے لیے پیام موت ہے اسی طرح نفس پر اعتماد کرنے سے جتنے مفاسد پیدا ہوتے ہیں ان سب کا مکمل انسداد ہوجاتا ہے اور بزدلی وکم ہمتی وغیرہ جیسے جرائم سے حفاظت رہتی ہے جن بعض اجتماعیین (سماجی ماہرین) نے ان دونوں پر اعتراض کیا ہے وہ ان کی اصل حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ان لوگوں نے غلط مفہوم کو مروج دیکھ کر اصل سمجھ لیا ہے اور اسی پر اعتراض کی عمارت قائم کردی ہے۔

(۶) دل سخت اور بے جان ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے عبرت پذیری اور تنبہ کی استعداد معدوم ہوجاتی ہے اور انسان اپنی تباہ شدہ حالت پر قانع اور مطمئن بن جاتا ہے پھر اس کے بعد ترقی کی امنگوں اور جاندار تمناؤں وغیرہ کا سوال ہی نہیں باقی رہتا ہے۔

(بدعملیوں اور شقاوتوں کی وجہ سے) تمہارے دل سخت ہوگئے اور ایسے سخت گویا پتھر کی چٹانیں یا ان سے بھی زیادہ سخت (سورۃ البقرہ آیت ۷۰)

## قرآن حکیم کی روشنی میں قساوت قلبی کے اثرات درج ذیل ہیں

۱۔ حق وصداقت کی وضاحت کے بعد بھی لوگ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ہیں (سورۃ البقرہ آیت ۸۷)

۲۔ مصلحین پر طرح طرح کے اتہام لگا کر انہیں ناکام بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔(سورۃ قصص آیت ۳۴،سورۃ صف آیت ۵)

۳۔ ایک دوسرے کے مذہب کی تکذیب وتنقیص کرتے ہیں جو اختلاف ضد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر ہوتا ہے اس کو وہ عین دین سمجھتے ہیں۔(سورۃ البقرہ آیت ۲۱۰)

۴۔ احساس کمتری میں مبتلا رہتے ہیں مقابل کی طاقت دل ودماغ پر مستولی (غالب) ہوجاتی ہے کہ اس کے تصور ہی سے لرزہ براندام ہوتے ہیں (سورۃ المائدہ آیت

(۲۶)

۵۔ قلت وکثرت کی بحث چھڑ جاتی ہے حالانکہ کامیابی وناکامی کا مدار قلت وکثرت پرنہیں ہے بلکہ ذاتی جوہر وصلاحیت پر ہے (سورۃ البقرہ آیت ۲۵۱)

(۷) مال ودولت اورزندگی سے محبت بڑھ جاتی ہے جس کے حسب ذیل اثرات زندگی میں نمودار ہوتے ہیں۔

۱۔ عزم وہمت اورایثار وقربانی کے کام نہیں ہو پاتے ہیں

۲۔ قومی وجماعتی مفاد نظروں سے اوجھل ہوکر صرف ذاتی اغراض ومقاصد پیش نظر ہوتے ہیں۔

۳۔ فوجی طاقت چھن جاتی ہے اورسامان حرب کی جگہ سامان تعیش لے لیتے ہیں۔

۴۔ خوشامد چاپلوسی کے جذبات خبیثہ زندگی میں سرایت کرجاتے ہیں

۵۔حقوق کے تحفظ قیام وبقاء کی جدوجہد،قومی عزت وناموس کے جذبات دل سے نکل جاتے ہیں

## چندآیتیں یہ ہیں

''زندگی کی سب سے زیادہ حرص رکھنے والے یہی لوگ ہیں،مشرکوں سے بھی زیادہ ان میں سے ہرآدمی کا دل بہ حسرت چاہتاہے کہ کاش ایک ہزار برس تک توجئے''(سورۃ البقرآیت ۹۱)

''ان میں ایک گروپ ایساہے کہ اگرایک دینار کے لیے بھی ان پر بھروسہ کروتو کبھی تمہیں واپس نہ دین جب تک کہ ہمیشہ ان کے سرپرکھڑے نہ رہو'' (سورۃ آل عمران آیت ۶۹)

''ان میں سے بہتوں کوآپ دیکھیں گے کہ گناہ وظلم کے ارتکاب اورمال حرام کھانے میں بہت تیز ہیں ،کس قدر برے کام ہیں جو یہ شب وروز کررہے ہیں''(سورۃ المائدہ

آیت ۶۸)

## مذکورہ بعض اثرات کا ثبوت اس حدیث سے بھی ہوتا ہے

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ دنیا کی قومیں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں گی

جس طرح بھوکے آدمی کھانے کی رکابی پر ٹوٹ پڑتے ہیں''

صحابہ نے سوال کیا کہ اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ بہت ہوگی، لیکن تمہاری حالت ایسی ہوجائے گی جیسے پانی کی سطح پر گھاس پھوس ہوتا ہے ''غثاء کغثاء السیل'' تمہاری ہیبت دشمنوں کے دل سے نکل جائے گی اور تم کسی شمار وقطار میں نہ رہ جاؤ گے۔

صحابہ نے پھر سوال کیا یہ حالت کیونکر ہوجائے گی؟ فرمایا! تمہارے اندر ''وھن'' پیدا ہوجائے گا ''وھن'' کا مطلب دنیا (مال ودلت وغیرہ) سے محبت اور موت سے کراہت ہے۔ (مشکوۃ ج ۲، ص ۱۶۴)

(۸) مال ودولت اور زندگی سے محبت کی وبا عوام ہی تک محدود نہیں رہتی ہے بلکہ اکثر علماء بھی اس میں ملوث ہوتے ہیں اور وہ اس سلسلے میں احکام الٰہیہ کی تحریف سے بھی دریغ نہیں کرتے ہیں نیز آسان اور اپنی ضرورت کے مطابق احکام قبول کر لیتے ہیں اور جن میں محنت مشقت پڑتی ہے انہیں چھوڑ دینے میں عافیت سمجھتے ہیں۔

### علماء سوء کے بارے میں قرآن حکیم کی تصریحات یہ ہیں

(۱) وہ کلموں کو اپنی مناسب جگہ سے ہٹا دیتے ہیں (سورۃ المائدہ آیت ۴۶)

(۲) پھٹکار ہے ان پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں اور کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس سے دنیا کا معمولی فائدہ اٹھائیں۔ (سورۃ البقرہ آیت ۷۹)

(۳) جنہیں اللہ کی کتاب دی گئی ہے ان میں سے ہر ایک فریق نے اس کو پس

پشت ڈال دیا ہے۔(سورۃ البقرہ آیت ۹۱)

(۴) کیاایسا نہیں ہوا کہ جب کوئی رسول تمہارے پاس وہ حکم لے کرآیا جو تمہاری نفسانی خواہش کے موافق نہ ہواتم نے غرور کیا۔(سورۃ البقرہ آیت ۸۲)

## عصری تقاضوں سے غفلت کے مظاہر

بے عملی وبدعملی کی دوسری صورت کہ حالات وزمانہ کے تقاضا کی مناسبت سے جس قسم کی جدوجہد درکار ہے اس سے غفلت برتی جائے۔اس کے اثرات حسب ذیل طریقہ پر زندگی میں نمایاں ہوتے ہیں۔

(۱) ذہنیتوں پر پردے پڑجاتے ہیں کھلی ہوئی ترقی کی راہوں کو دیکھنے کے باوجود انہیں اپنانے کی ہمت نہیں ہوتی ہے،شیطان ان کے اعمال کو ان کی نظروں کے سامنے اس طرح خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے جو کچھ ان کے پاس چند پرانی راہ ورسم کا مجموعہ رہتا ہے بس اسی میں وہ مگن رہتے ہیں۔

قرآن حکیم نے مختلف قوموں کے تذکرہ میں رسولوں کی تکذیب وتنقیص اوران کی اصلاحی وانقلابی تحریک کی مخالفت کو جو ذکر کیا ہے وہ دراصل انہی اثرات کا نتیجہ تھا جیسا کہ ان کے تفصیلی حالات وواقعات سے ظاہر ہے۔

(۲) لوگ علم وحکمت کی تحصیل سے گریز کرتے ہیں کیونکہ جس دنیا میں وہ رہتے ہیں وہاں علم وحکمت کا گزر ہی نہیں ہوتا ہے،ان کا قلب ہی نہیں بیکار ہوتا بلکہ ذہن وادراک کی ساری قوتیں بھی بیکار ہوجاتی ہیں۔اور وہ جانوروں سے بھ بدترین بن جاتے ہیں

(سورۃ الانعام آیت ۱۷۹)

(۳) مذہب کے غلط تخیل کی وجہ سے دین اوردنیا کی تقسیم ہوجاتی ہے۔دیندار اوردنیا دار دوالگ الگ طبقے بن جاتے ہیں اور یہ خیال عام ہوجاتا ہے کہ دنیا کے ساتھ دین پر عمل کرنا ناممکن ہے(حالانکہ دین ہمیشہ کیلیے آیا ہے آخرت میں جو کچھ ہوگا وہ اسی دنیا کے اثرات ونتائج ہوں گے)

اس تقسیم کے بعد مذہبی طبقہ کی اکثریت کے سامنے کوئی میدان نہ رہ جانے کی وجہ سے وہ آپس میں دست وگریبان رہتی ہے اوراس کے جدوجہد کی ساری دوڑ چندفروعی اورفرسودہ مسائل (جن کا زندگی کے حقائق سے کوئی تعلق نہیں رہتا) کی موشگافیوں میں سمت کرآجاتی ہے۔

چنانچہ مسلمان اپنے دوراول میں جب عدل ورحمت کا نظام قائم کرنے کے لیے بعض عیسائی ممالک میں گئے تو وہاں کے پادریوں کو ان مباحث میں مصروف پایا کہ عیسیٰؑ کا پیشاپ پاک تھا یا ناپاک ،اورآسمان سے جودسترخوان (مائدہ) آیا تھا اس میں خمیری روٹی تھی یا فطیری (غیرخمیری)

آج مسلمانوں میں بھی اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جو بہت سے علماء کرام کا ذریعہ معاش بنے ہوئے ہیں اوردنیا دار طبقہ کے آگے کوئی رکاوٹ نہیں رہ جاتی ۔اس بنا پر وہ اورزیادہ مفاد پرستی وہوس رانی کا شکار ہوجاتا ہے اس کے لیے یہ امتیاز کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ''جراثیم تمدن'' جوترقی کا نقاب ڈالے ہوئے ہوتے ہیں وہ انہیں کوترقی کے لیے سب کچھ جان کر اختیار کرلیتا ہے اورخودفریبی میں مبتلا ہوکر یہ سمجھتا ہے کہ ہم زمانہ کی ترقی کا ساتھ دے رہے ہیں۔

### ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہاں یہ بتادینا ضروری ہے کہ جن بعض ماہرین اجتماعیت نے ترقی کی راہ میں مذہب کو رکاوٹ قرار دے کر کہا کہ ''مشرقی اقوام کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ مذہب ہے'' (تمدن ہنداز ڈاکٹر لیبان ص۱۸۲)

وہ دراصل اسلامی تعلیمات سے عدم واقفیت اوراسلامی تاریخ سے تعصب کی بنا پر ہے، چنانچہ اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ مسلمان اپنے ابتدائی دور میں جس قدر مذہب کی پابندی میں سخت تھے اسی قدر فتوحات اورترقیات کا سلسلہ وسیع تھا۔ بعد جس قدر مذہب سے اعراض بڑھتا گیا شرک ونفاق اپنا قدم جاتے گئے اوربے عملی وبدعملی کے ''جراثیم'' پیوست ہوگئے ،اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیام وبقاء کی جدوجہد میں وہ پیچھے

رہ گئے اور دوسری قومیں ان سے آگے نکل گئیں۔

جن لوگوں نے قرآن حکیم کی تعلیمات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ سائنٹفک دور کا آغاز چودھویں صدی عیسوی سے نہیں بلکہ نزول قرآن کی تاریخ (چھٹی صدی عیسوی) سے ہوا ہے اسی سے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا کہ کائنات کی ساری چیزیں (آفتاب وماہتاب سے لے کر ذرہ تک) اپنی اصلی ساخت اور مقصد کے لحاظ سے انسان کی خدمت گزاری کے لیے پیدا ہوئی ہیں اور انسان کو یہ اہلیت دی گئی ہے کہ وہ عقل وتجربہ کی رہنمائی سے ان پر قابو حاصل کر کے اپنے استعمال میں لاسکتا ہے، یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ دنیا کے دیگر مذاہب سائنس کے عناصر کو مافوق القوۃ اور مقدس اشیاء سمجھ کر ان کی پرستش کرتے تھے، یا اس خیال کے ماتحت کہ ''اللہ نے کائنات کو پیدا کر کے حکمرانی کے لیے شیطان کے حوالے کر دیا ہے'' مطالعہ فطرت کو مذموم جانتے تھے اور جو کوئی اس کی جانب توجہ کرتا اس کا بھوت پلید سے تعلق جوڑتے تھے۔

## چند علماء یورپ کی شہادتیں

قرآن حکیم کے اسی تخیل کے پیش نظر جیسی خواہشیں اور ضرورتیں بڑھتی گئیں مسلمان برابر ادھر توجہ کرتے رہے حتی کہ یورپ کو اس قابل بنایا کہ وہ نشاۃ ثانیہ کی بنیاد رکھ سکے، جیسا کہ جان ڈیون پورٹ نے لکھا ہے:

تمام علوم مثلاً طبعیات، نجوم، فلسفہ اور ریاضی وغیرہ جو چودھویں صدی عیسوی سے یورپ میں رائج ہوئے، وہ سب کے سب عربی مدارس سے ماخوذ ہیں۔ اس بنا پر ہسپانیہ کو یورپی فلسفہ کا موجد تسلیم کرنا چاہئے''

عربی مدارس میں یہ ساری تعلیم بلاامتیاز مذہب وملت دی جاتی تھی کہ قوم ومذہب میں تخصیص وتفریق نہ تھی ''رینان'' کہتے ہیں

''سائنس اور ادب کا مذاق دسویں صدی عیسوی تک دنیا کے اس ممتاز گوشہ میں اس طرح قائم ہوگیا تھا جس کی رواداری کی مثال موجودہ دور میں عنقاء ہے۔ عیسائی، یہود، مسلمان سب ایک ہی زبان بولتے تھے۔ ایک ہی نغمہ گاتے تھے اور ایک ہی

ادبی وسائینٹفک مسند درس کے حاشیہ نشین تھے،وہ تمام قیود جن کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے جدا رہتے تھے وہ یکلخت اٹھا دیئے گئے تھے، اورسب کے سب متفق ہوکر مشترکہ تمدن کی بنیاد ڈالتے ہیں وہ مصروف جدوجہد ہوگئے تھے ،قرطبہ کی مسجدیں جن میں ہزاروں کی تعداد میں طلبہ رہتے تھے وہ اس علم وحکمت کا مرکز بن گئی تھیں''

''گستورکس'' نے ''اسلام کا احسان یورپ پر'' نامی کتاب لکھی ہے جس میں صراحۃ کہا ہے کہ ''یورپ سائینٹفک انکشافات میں اسلام کا ممنون ہے۔اسلام ہی کے طفیل علماء سائنس بیکن ،نیوٹن وغیرہ جیسے لوگ پیداہوئے اگرمسلمانوں نے کاغذ ،بارود،قطب نماء اوردیگر آلات ترقی کو رواج نہ دیا ہوتا تو یورپ کی سائنس اورتہذیب کی چودہ سو برس پہلے جوحالت تھی وہی آج ہوتی''

ان تصریحات کے بعد اسلامی تعلیمات پر کیسے ،کسی قوم کے اعتراض کی گنجائش باقی رہ سکتی ہے؟

## بے عملی وبدعملی تاریخ کے آئینہ میں

ذیل میں ہم بے عملی وبدعملی کے اثرات چند تاریخی شہادتوں کی روشنی میں بیان کرتے ہیں ،جن سے مذکورہ بالا بیان کی مزید توثیق ہوسکے گی۔

رومن قوم کا حال اس کے زوال کے زمانہ میں ''لیسکی'' نے یہ بیان کیا ہے:

''رومی قوم اس وقت انتہائی رہبانیت اورانتہائی بدکاری کے تھپیڑوں کے درمیان جھونکے کھارہی تھی بلکہ بعض شہروں میں جن میں کثیر التعداد زاہد اورراہب پیداہوئے تھے وہ وہی تھے جن میں عیش پرستی اور بدچلنی کی سب سے زیادہ گرم بازاری تھی ،غرض بدکاری اورتوہم پرستی کا اجتماع ہوگیا تھا،جو انسان کی شرافت وعظمت کا قطعی دشمن ہے۔

رائے جمہور اس قدر ضعیف ہوگئی تھی کہ لوگوں کو رسوائی اور بدنامی کا مطلق خوف باقی نہیں رہا تھا۔البتہ ضمیر کو مذہب کا دھڑکا ہوسکتا تھا لیکن اسے بھی اس اعتقاد نے مٹادیا تھا کہ دعاؤں وغیرہ کے ذریعے سارے گناہ معاف ہوسکتے ہیں ۔مکاری

اور دغابازی کی وہ گرم بازاری تھی جو قیاصرہ کے زمانہ میں بھی نہ تھی" (تاریخ اخلاق یورپ ص ۱۴)

ڈاکٹر گبن نے رومی قوم کی حالت پر نہایت تفصیلی بحث کی ہے وہ کہتے ہیں :

"عیش پرستی کا یہ حال تھا کہ لوگ ایک عرصہ سے تأہل (ازدواجی زندگی) کی بجائے تجرد کی زندگی زیادہ پسند کرتے تھے، تاکہ زیادہ آسانی اور آزادی کے ساتھ اپنے شہوانی جذبات کی تشفی کرسکیں .....کفایت شعاری جتنی زیادہ ہوتی جاتی تھی اسی نسبت سے اس کی طرف سے بے اعتنائی بڑھتی جاتی تھی اور جس نسبت سے رعایا کے مصائب روز افزوں تھے اسی نسبت سے ٹیکس میں اضافہ ہوتا جاتا تھا..... یہ غیر ممکن تھا کہ اس زمانہ کے لوگ تن آسانیوں میں رہ کر زوال کے اسباب نہ دیکھتے، رومی زندگی میں ایک زہریلا اثر سرایت کررہا تھا۔شعراء اور مقررین کی لوگ غلامانہ تقلید کرتے تھے جدت طبع ختم ہوچکی تھی اور یہ ایسا تنزل تھا جس سے ان کے جذبات پست وذلیل اور قوی پژمردہ ہوگئے تھے"

(تاریخ روما، ج ۲،۱)

سیل صاحب نے دیباچہ قرآن میں لکھا ہے کہ:

"گرجا کے پادریوں نے مذہب کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے تھے اور امن ومحبت، نیکی کو مفقود کردیا تھا۔اصل مذہب بھول گئے تھے اور اپنی خیال آرائیوں پر جھگڑتے تھے اسی تاریک زمانہ میں اکثر وہ توہمات جو رومن چرچ کے لیے باعث ننگ ہیں مذہبی صورت میں قائم کئے گئے۔خصوصا ولیوں اور مجسموں کی پرستش نہایت بے شرمی سے ہونے لگی تھی۔بادشاہوں اور پادریوں میں عقائد واخلاق کی جوخرابیاں پھیلی ہوئی تھیں اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ عوام کی حالت متبدل ہوگئی ان کا مقصد روپیہ پیدا کرنا، خواہ کسی ذریعہ سے ہو اور اس روپیہ کو وہ نفاست اور عیاشی میں اڑاتے تھے" (سیرت النبی، ج ۳ ص ۲۲۶)

ایرانیوں کا حال بھی بحیثیت مجموعی رومیوں جیسا تھا چنانچہ:

''بادشاہوں کے ظلم وستم کا بازار گرم تھا،امرء کی عیش پرستیوں اورخود غرضیوں نے صداقت واخلاص اور ہرقسم کے اخلاقی جوہر (جس کے خمیر سے قوم کی زندگی تعمیر ہوتی ہے) فنا کردیئے تھے۔لوگوں میں خست ودنائت سرایت کرگئی تھی ۔اوراعمال صالحہ واخلاق فاضلہ سے اعراض کرنے لگے تھے تعیش پرستی وآزاد روی کا نتیجہ تھا کہ چھٹی صدی عیسوی میں قباد اول بن فیروز کے زمانہ میں ''مزدک'' نامی تحریک وجود میں آئی (مزدک مجوسیوں کا ایک روحانی پیشواتھا) جس نے دولت اور عورت کو مشترک قرار دیا ۔ہوس رانی امراء اورعوام دونوں نے اس تحریک کوخوشی خوشی قبول کیا اورخود قباد نے اس دین کی ترویج واشاعت میں نمایا حصہ لیا، یہاں تک کہ وہ تقریبا ساری قوم عیش پرستی کے نشہ میں مخمور ہوگئی (تاریخ ایران)

۵۷۱ءعیسوی میں نوشیراون نے اس فتنہ کو بزور شمشیر دبانے کی کوشش کی لیکن پوری طرح کامیاب نہ سوسکا (الملل والنحل ج،اص ۲۶)

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے رومیوں اورعجمیوں کے اسباب زوال پرنہایت قیمتی بحث کی ہے۔اس کا مطالعہ اس موقع پرنہایت مفید ہے

مسلم حکومت کے اسباب زوال پر بحث کرتے ہوئے شاہ صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے۔

اوراس زمانہ میں ملک کی خرابی اورویرانی کے زیادہ دوسبب ہیں۔

(۱) سرکاری خزانہ پرتنگی اس طرح کہ لوگوں کو یہ عادت پڑگئی ہے کہ کسی محنت کے بغیر خزانہ سے روپیہ اس دعوی کے ساتھ حاصل کرتے ہیں کہ وہ سپاہی ہیں یا عالم ہیں کہ جن کا حق اس خزانہ میں ہے یا ان لوگوں میں سے ہیں جن کو بادشاہ خود انعام دیا کرتے ہیں جیسے زہد پیشہ صوفی شاعراور دوسرے لوگ جو ملک وقوم کوکوئی کام کئے اورمحنت کئے بغیر کسی نہ کسی طرح روزی حاصل کرتے ہیں ۔یہ لوگ دوسروں کے ذرائع آمدنی کوکم کردیتے ہیں اورملک وقوم پر بوجھ ہیں۔

(۲) دوسرا سبب کاشت کاروں، بیوپاریوں اور پیشہ وروں پر بھاری محصول لگانا اوران پر تحصیل وصول میں یہاں تک سختی کرنا کہ جو ہمارے مطیع اور حکم کے ماننے والے ہیں وہ تباہ ہورہے ہیں اور جو سرکش ونادہندہ ہیں وہ باغی بن رہے ہیں ۔حالانکہ ملک وسلطنت کی آبادی وسرسبزی کم محصول فوج اور عہدہ داروں وغیرہ کے بقدر ضرورت تقرر پر ہے اس زمانہ کے لوگوں کو ہشیاری کے ساتھ سیاست کے اس نکتہ کو سمجھنا چاہئے (باب سیاسۃ المدینہ، حجۃ اللہ البالغہ)

شاہ صاحب نے ان دوسببوں میں بہت کچھ کہدیا ہے۔ تجربہ کے بعد ہی پتہ چلتا ہے کہ قومی زندگی میں یہ دونوں کب اور کیونکر پیدا ہوتے ہیں؟

شاہ صاحب کا مقصد انہی وجوہ اوراسباب کی طرف نشاندہی کرنا ہے ۔بطوراثر اورنتیجہ کے دوباتیں بیان کردی ہیں تاکہ غور وفکر کرنے والے ان دونوں کی گہرائی تک پہنچ کرکھوج لگالیں۔

ایک اورموقع پرحضرت شاہ صاحب عیش پرستی کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''عام وخاص،رعایا ودہقان،امیر وغریب کوئی نہیں باقی رہ گیا تھا جس پر عیش وآرام نہ مسلط ہو'' (ایضا)

دراصل عیش وعشرت ایسی ذہنیت ہوتی ہے جو زوال پذیرقوم کے افراد پرمسلط ہوجاتی ہےخواہ مال ودولت ان کے پاس ہویا نہ ہو۔

البتہ جب مال ودولت کی فراوانی ہوتی ہےتواس ذہنیت کے مظاہرہ کی شکل دوسری ہوتی ہے اورجب فراوانی نہیں ہوتی ہےتو اس کی دوسری شکل ہوجاتی ہے ۔لیکن اس ذہنیت کا مظاہرہ کسی نہ کسی شکل میں بہرصورت ہوتارہتاہے۔

## (۳)باطل پرستی وخودفریبی

انسان معنوی لحاظ سے دوجز سے مرکب ہے۔

(۱)ایک وہ ہے جس کے ذریعے حیات حیوانی کے قیام وبقاء کی جدوجہد ہوتی ہے۔

(۲)اوردوسرا وہ جس کے ذریعے حیات انسانی (انسانیت) کے نشوونما کی جدوجہد ہوتی ہے۔

دوسرے جز کا ماحاصل حق اورحقیقت کا ادراک اورعملی زندگی میں اسے بروئے کار لانا ہے ۔قوم جب باطل پرست رہتی ہے تو زیادہ تر اس کا اثر اسی دوسرے جز پر پڑتا ہے جس کی بنا پر:

(۱) بصیرت نفس ختم ہوجاتی ہے صحیح ذوق ووجدان نہیں باقی رہتا ہے ۔چنانچہ نہ حق کا صحیح ادراک ہو پاتا ہے اورنہ ہی اس کے بروئے کار لانے کی کوشش ہوتی ہے ۔اس میں شک نہیں کہ ایسی حالت میں بھی غوروفکر کرنے والے لوگ موجود رہتے ہیں لیکن ان کا زیادہ تر تعلق یا تو حیات حیوانی سے رہ جاتا ہے اوریا یہ کہ حیات انسانی سے متعلق ان کی کوششیں بارآور نہیں ہوتی ہیں۔

قرآن حکیم نے قوم کی اسی حالت کو''ختم اورطبع'' (مہر کرنا) وغیرہ الفاظ سے ذکر کیا ہے ۔''بلکہ اللہ تعالی نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے اسی لیے چند لوگوں کے سوا سب ایمان سے محروم ہیں''(سورۃ النساء آیت ۴۵)

بصیرت نفس ،ادراک کی اس استعداد کا نام ہے جو حق پرستی کے نتیجہ میں انسان کو حاصل ہوتی ہے اورتعقل (عقل پسندی) کے متعارف ذرائع سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔القاء، کشف والہام (دل میں بات آنا) وغیرہ اسی ذریعے ادراک سے متعلق ہیں

۔

(۲) نفوس میں ایک خاص قسم کا انجماد پیدا ہوجاتا ہے ۔سب کچھ دیکھنے اور سننے کے باوجود نہ اس کا اثر لیا جاتا ہے اورنہ ہی حالت میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے۔''کیا لوگ ملکوں میں چلے پھرے نہیں کہ عبرت حاصل کرتے ان کے پاس دل ہوتے اور سمجھتے بوجھتے کان ہوتے اوران کے ذریعے سنتے ہوتے اصل یہ ہے کہ لوگوں کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں دل اندھے ہیں''۔(سورۃ الانبیاء آیت ۴۶)

''سینوں میں ان کے پاس دل ہیں لیکن سمجھتے نہیں ،آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں ،کان

ہیں مگر سنتے نہیں ہیں''۔(سورۃ الاعراف آیت ۱۷۹)

اصل یہ ہے کہ حیات اجتماعی کا مایہ خمیر ہی افراد کی تعلیم پذیری واثر پذیری ہے۔جب تک افراد میں ایسی لچک موجودرہتی ہے کہ مؤثر ات خارجی (بیرونی محرکات) کوجذب اورہضم کرسکتے ہیں اسی وقت تک جماعتی زندگی اوراس کے خدوخال باقی رہتے ہیں ،اورجب اندرونی زندگی میں انجماد پیدا ہوجاتاہے اورخارج کی کوئی شے انہیں متاثر نہیں کرسکتی ہے توجماعتی نظم ونسق درہم برہم ہوجاتاہے اورپھر ارتقاء کی ضمانتیں ضبط ہوجاتی ہیں۔

اس بارے میں پروفیسر ''جیمس'' نے تویہاں تک کہدیا ہے کہ انسان اصولا بس ایک تقلید کرنے والا حیوان ہے اس کی ساری تعلیم پذیری بلکہ ساری تمدنی ترقی کا دارومدار انسان کی اسی خصوصیت پر ہے (فلسفہ اجتماع ص ۲۶)

ممکن ہے اس میں کسی قدر مبالغہ ہولیکن بہت حدتک اس سے انکار نہیں کیا جاسکتاہے

(۳) قوم بحیثیت مجموعی عجائب پرست بن جاتی ہے جہاں ذراسی کوئی بات عجیب معلوم ہوئی بس اسی کی معتقد بن گئی اوراسی کے پیچھے چل پڑی۔

ایسی حالت می نہ سچے رہنماؤں کی قدر باقی رہتی ہے اورنہ ہی حقیقی اعمال وافعال کی، بلکہ اس کا کام ہر شعبدہ باز سامری صفت کے ہاتھوں کھیلنا اورخوفریبی میں مبتلا ہوکر ہرحق پرست کومطعون کرنا رہ جاتاہے ۔قرآن حکیم ن یہودی قوم کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

''سامری ان کے لیے ایک بچھڑا نکال کرلایا محض ایک بے جان دھڑ جس سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی لوگ یہ دیکھ کر بول اٹھے یہ ہے ہمارا معبود اورموسی کا معبود،مگر وہ بھول میں پڑگیا''(سورۃ طہ آیت ۸۸)

(۴) علم وہنر ایجادات وانکشافات کے باوجود سوسائٹی کے جرائم سمجھنے والے لوگ نہیں رہ جاتے ہیں اورجو رہتے بھی ہیں ان کی آواز کالعدم بن جاتی ہے اس طرح رفتہ

رفتہ قوم کی سیرت بالکلیہ مسخ ہوجاتی ہے اوروہ جرائم پیشہ بن جاتی ہے۔

(ایمان لاؤ)اس سے پہلے کہ ہم لوگوں کے چہرے مسخ کرکے ان کے پیٹھ کے پیچھے کردیں یا ایسا ہوکہ جس طرح اصحاب سبت پر ہماری پھٹکار پڑی تھی اس طرح ان پر بھی پڑے، یادرکھو اللہ نے جو کچھ فیصلہ کردیا ہے وہ ہوکر رہے گا(سورۃ النساء آیت ۵۱)

(۵) ایسی حالت میں بھی ان کی عقل مندی وہوشیاری کا اعتراف قرآن حکیم کی اس آیت میں ہے

''اورہم نے قوم عاد وثمود کو ہلاک کیا جن کے مکانات کے آثار تمہارے سامنے ہیں ۔شیطان نے ان کے اعمال کومزین کردکھایا تھا حالانکہ وہ لوگ ہوشیار وعقل مند تھے۔

(سورۃ العنکبوت آیت ۲۸)

خودفریبی میں مبتلا ہونے کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ مروجہ بدعات اور جراثیم تمدن کو شیطان ان کی نظروں میں بقاء ارتقا کا سبب بنا کر پیش کرتا ہے جس کی بناء پر ان چیزوں سے نہ بچنے کی نوبت آتی ہے اورنہ ضرورت ہی پیش آتی ہے۔

## (۴)عدم استقامت وخودغرضی

زوال کا چوتھا اہم سبب عدم استقامت وخودغرضی ہے

نفسیاتی لحاظ سے زندگی میں جب صبر کے جذبات کمزور پڑتے ہیں تومذکورہ قسم کے جذبات ابھرآتے ہیں جن سے ایک طرف تووہ اخلاق تباہ ہوتے ہیں جوبقا کے لیے ضروری ہیں مثلاعدل، ہمدردی فیاضی، ایثاروقربانی وغیرہ۔

اوردوسری طرف ان اوصاف پرزد پڑتی ہے جوارتقاء کیلیے لازمی ہیں مثلا ہمت، قوت اردی، عملی قابلیت، اقدام عمل، شوق تحقیقات، قوت استنباط، جدت طبع وغیرہ۔

قوم جب گراوٹ کی اس منزل پرپہنچتی ہے توخواہش کانام ارادہ پڑجاتاہے انسانی ضمیر سپر(ہتھیار) ڈالتاہے اورموروثی اخلاق واوصاف تک محفوظ نہیں رہ پاتے ۔قرآن

حکیم کی روشنی میں چند اثرات یہ ہیں۔

(۱) قوم کے افراد عزم ومقاصد کی راہ میں مصائب ومشکلات جھیلنے کے بجائے شکوہ سنجی میں مبتلا ہوجاتے ہیں جب ہمت وجوانمردی کے جوہر دکھلانے کا وقت آتا ہے تو کوسنا اور قسمت کا ماتم کرنا شروع کردیتے ہیں اور اس راہ کی معمولی تکلیف بھی ان کے لیے پہاڑ بن جاتی ہے۔

موسیٰؑ نے جب یہودیوں کو صبر وثبات کی تعلیم دی تو انہوں نے یہ جواب دیا:

''تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے گئے اور آنے کے بعد بھی ہم ستائے جارہے ہیں''۔(سورۃ الاعراف آیت ۱۲۸)

(۲) ذہنی طوائف الملوکی کی وباعام ہوجاتی ہے تو قوموں میں انتشار اور رایوں پر اغراض کا قبضہ ہوجاتا ہے۔

''تو ان کو متفق سمجھتا ہے حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں''(سورۃ الحشر آیت ۱۴)

(۳) مرغوبات ومفادات میں الجھ کر ہجرت، جہاد اور نصرت (جو قیام وبقاء کے لیے ضروری ہیں) سے روگردانی کی جاتی ہے اور طرح طرح کا ربرآری (حیلہ جوئی) کی کوشش ہوتی ہے۔

''وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم قتال مناسب جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہوتے''

(سورۃ آل عمران آیت ۱۶۱)

حالانکہ ان کی اندرونی کیفیت یہ ہوتی ہے

''وہ لوگ ایمان کے مقابلہ میں کفر سے زیادہ نزدیک تھے، زبان سے ایسی بات کہتے ہیں جو حقیقتاً ان کے دل میں نہیں ہے''(سورۃ آل عمران آیت ۱۶۱)

(۴) ضبط نفس باقی نہیں رہتا ہے، نظم واطاعت اوراستقامت کی روح ختم ہوجاتی ہے کام کے ولولے نہیں پیدا ہوتے ہیں اوراگر کچھ کام شروع بھی کیا تو ثابت قدمی سے محروم رہتے ہیں چنانچہ نہر کے پانی کے سلسلہ میں جب یہودیوں کی آزمائش کی گئی توانہوں نے انتہائی بے صبری کا مظاہر کیا۔

''ایک قلیل تعداد کے سواسب نے پانی پی لیا'' (سورۃ البقرہ آیت ۲۵)

جب قوم کے افراد ایک گھڑی کی پیاس بھی ضبط نہ کرسکیں تو زندگی کی کشمکش سے عبور کرنے کی کیسے توقع رکھی جاسکتی ہے

ایسی حالت میں قوم کے جوانوں اورنوجوانوں کے دلوں میں بھی یاس وحرمان کی تخم پاشی ہوجاتی ہے ان کی قوتِ ارادی مفقود ہوجاتی ہے اوروقتی وذاتی فائدے کے غلام بن جاتے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ اصل سرمایہ قوم کے جوان اورنوجوان ہی ہوتے ہیں یہی زندگی بخش تصورات قبول کرتے ہیں اورانہی کے ہاتھوں انقلاب آتا ہے۔جیسے بوڑھوں میں چونکہ قوت مدافعت اورقوت اقدام کی کمی ہوتی ہے نیز شعوری وغیرشعوری طور پر ان پر ماحول کا کافی اثر ہوتا ہے۔اسلیے انقلابی تصوران کے دماغ میں پیدا ہی نہیں ہوتا۔اوراگر ہوتا بھی ہے تو اس کو بروئے کارلانے کی ہمت وسکت نہیں باقی رہتی ہے۔

قرآن حکیم سے بھی ایک جزئی واقعہ میں اس کا ثبوت ملتا ہے موسیٰؑ کے قصہ میں ہے

''موسی پرکوئی ایمان نہیں لایا مگر صرف ایک گروہ جو قوم کے نوجوانوں کا گروہ تھا''

(سورۃ یونس آیت ۸۲)

جب کسی قوم کا یہ طبقہ ذہنی وفکری اورعملی لحاظ سے تباہ ہوجائے تو پھر اس قوم کے ابھرنے کی امیدیں ختم ہوجاتی ہیں اور دن بدن ذلت وپستی کے غار میں گرتی چلی جاتی ہیں۔

## جوانی اور بڑھاپے کی ایک نئی تقسیم

یہاں ایک یہ شبہ ہوتا ہے کہ بسااوقات عزم وحوصلہ میں جوان ،بوڑھے نظرآتے ہیں۔

اور بوڑھے ،جوان بن جاتے ہیں اس بناء پر قیام وبقاء کی جدوجہد صرف جوانوں تک محدود کرنا صحیح نہیں ہے۔

میرے خیال میں قیام وبقاء کی جدوجہد کے سلسلے میں عمر کو جوانی اور بڑھاپے کے بجائے تین دوروں میں تقسیم کرنا زیادہ مناسب ہے۔

(۱) وہ دور جس میں خود کی زندگی نمایاں مقام رکھتی ہے۔

(۲) وہ جس میں دوسروں کی زندگی کا غلبہ ہوجاتا ہے۔

(۳) وہ جس میں خود دوسروں کے لیے بار بنتا ہے۔

یہ تقسیم سن اورسال پر منحصر نہیں بلکہ اندرونی جذبات اورذہنیت پراس کا دارومدار ہے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص عمر کے لحاظ سے بڑھاپے کی سرحد میں داخل ہولیکن ذہنی اورجذباتی زندگی کے لحاظ سے وہ دوراول کے قابل ہو۔اسی طرح ممکن ہے کہ ذہنیت اورجذبات کے لحاظ سے دوسرے اورتیسرے دور کے لائق لیکن عمر کے لحاظ سے ابھی وہ جوان بلکہ نوجوان ہو۔

اس تقسیم کے لحاظ کے سے انسان صرف پہلے دور میں انقلابی جدوجہد کے لیے موزوں ہوتا ہے اورجوان کہلاتا ہے ۔خواہ اس کی عمر کچھ ہو جہاں اس نے دوسرے دور میں قدم رکھا بس وہ الجھ کررہ جاتا ہے اورایثار وقربانی کے کام اس سے نہیں ہو پاتے اس بنا پر بڑھاپے میں داخل شمار ہوتا ہے

اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کی درج ذیل حدیث سے بھی کسی قدر ہوتی ہے۔

''اولاد بخل اور بزدلی کا سبب ہیں'' (مشکوۃ ص ۱۱۹)

## ماہرین نفسیات کے ایک شبہ کا جواب

# شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کی دستیاب مطبوعات

| | |
|---|---|
| استعماری مظالم اور ملی تقاضے | شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ |
| جدوجہد اور نوجوان | شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ |
| قرآنی دعوتِ انقلاب | مولانا عبید اللہ سندھیؒ |
| ولی اللّٰہی فکر کا تاریخی تسلسل | مولانا عبید اللہ سندھیؒ |
| تقویٰ کیا ہے؟ | مولانا عبید اللہ سندھیؒ |
| دینِ حق کی جامعیت اور برصغیر کا سامراجی نظامِ تعلیم | مولانا سید حسین احمد مدنیؒ |
| عبادت وخلافت | مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ |
| شریعت، طریقت اور سیاست | مولانا محمد الیاس دہلویؒ، مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ |
| جدوجہد آزادی کا رہنما ادارہ | مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ |
| دینی تمدن کی تشکیل نو | مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ |
| اسلام اور گروہیت | مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ |
| اسلام کا اقتصادی نظام؛ ایک تقابلی جائزہ | مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ |
| فرد اور اجتماعیت | مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ |
| وقت کی قدر و قیمت | مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ |
| ولی اللّٰہی تحریک | مولانا سید محمد میاںؒ |
| امام شاہ عبدالعزیزؒ افکار اور خدمات | مولانا سید محمد میاںؒ |
| آزاد قومی پالیسی کا خاکہ | مولانا سید محمد میاںؒ |
| دینِ وحدت | مولانا سید سلیمان ندویؒ |
| جہاد کیا ہے؟ | مولانا سید سلیمان ندویؒ |
| دین اور حکومت | مولانا سید سلیمان ندویؒ |

پوسٹ بکس نمبر 938 پوسٹ آفس گلگشت، ملتان